

أَبِي أَبَا

عَقْلٍ خَالِصٍ

أَبِي أَبَا
عَقْلٍ خَالِصٍ
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَ مَنْ يُوْت
2:269

عَلَّامَهُ نَصِيرِ الدِّينِ نَصِيرِ هُونَزَائِي

لُبِّ لُبَابِ

یعنی

عقلِ خالص

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

Institute for
Sustainable
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

خانہ حکمت، ادارہ عارف

۳-۱، نور ویلا - ۲۶۹- گارڈن ویسٹ

کراچی - ۳ (پاکستان)

سراغاز

اِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَّمَلَیْکَتُهُ یُصَلُّوْنَ
 عَلَی النَّبِیِّ طِبَّیَّاتِیَّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
 (۳۶/۵۶) اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ۔

پروردگارِ عالم کی عنایت بے نہایت، نورِ منزل کی بابرکت
 تائید و ہدایت اور مومنین بالیقین کی خالص دعا و مناجات سے
 یہ ایک اور بے حد لذیذ نعمت حاصل ہوئی، آپ باور کریں گے
 کہ جتنی علمی نعمتیں میسر ہوئی ہیں، وہ سب کی سب اسی نورِ مجسم
 کی نورانی ہدایت کی کرامات ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں فخر و
 ناشکری کی بیماری سے محفوظ رکھے! آمین!

۲۔ قرآنِ حکیم ہدایتِ سماوی کا بیمثال سرچشمہ اور حقائق و معارف
 کا بے پایاں خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی امراض
 کے لیے ربّانی شفاخانہ بھی ہے، اس کے لاہوتی نسخے بدرجہ انتہا
 مؤثر اور زبردست شفا بخش ہیں، مثلاً قرآنِ پاک کا یہ نرالا طریق
 علاج کتنا عالیشان اور حیران کن ہے کہ وہ بار بار آدمی کو اپنی زندگی

کے ابتدائی مراحل یاد دلا کر اس کی بنیادی کمزوریوں کو من و عن بیان کرتا ہے تاکہ کوئی بھی مومن موجودہ کسی ترقی کی وجہ سے فخر کی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائے، اور رب العزت کے ہر احسان و انعام کا دل و جان سے شکر کر لیا کرے، پس ہم سب پر واجب ہے کہ اپنے اس ماضی کو بھول نہ جائیں، جس میں ہم ہر اعتبار سے حقیر، مفلس، خام اور ناتما تھے، تاکہ حسب منشا ئے قرآن ہم عاجزی، رقت قلبی اور محویت و فنائیت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۳۔ یہ مقالہ یا کتابچہ عقل و دانش کی خاص اہمیت کے بارے میں تحریر ہوا ہے، کیونکہ عقل و خرد اور علم و معرفت ایسی بے مثال شے ہے کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں کوئی بھی دوسری بہتر سے بہتر چیز اس خلا کو پُر نہیں کر سکتی ہے، خواہ وہ سجدہ، نماز اور تسبیح کیوں نہ ہو، یہ بات خیالی اور فرضی ہرگز نہیں بلکہ یہ قرآن پاک کی روشن ترین حقیقتوں میں سے ہے، وہ اس طرح کہ آسمانوں اور زمین کی ان بے شمار مخلوقات کے لیے بہشت کا کوئی وعدہ ہی نہیں جو بے جان اور بے عقل ہیں، اور پُچھ پائے جیسے انسان بھی ان میں داخل اور شامل ہیں (۱۱۹)، حالانکہ ہر مخلوق اور ہر چیز موجود برحق کے لیے سز سجدہ ہوتی رہتی ہے (۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۲) تمام مخلوقات اور انس و جن اس کی تسبیح کر لیا کرتے ہیں، اور سبھی اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتے ہیں (۲۴) پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں

پر عذاب لازم ہو چکا ہے۔ (۲۶/۱۸)؛ اس کا تسلی بخش جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے، ارشاد ہے: وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (۶۷) اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تب تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ اس حکیم الہی سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی عقل کا نہ ہونا ہی سب سے بڑا عذاب ہے، اور یہی آتش جہالت و نادانی ہے، یعنی عقلی عذاب۔

۴۔ جانتا چاہیے کہ عقل و دانش کا ربانی سانچا قرآنی حکمت ہے اور دانائی کی کسوٹی بھی یہی ہے اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کی تمام تر حکمتیں اس کے باطن میں پوشیدہ ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: **إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْرًا وَبَطْنًَا وَبَطْنًَا بَطْنًَا إِلَى سَبْعَةِ أَبْطُنٍ أَوْ إِلَى سَبْعِينَ بَطْنًَا**۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور اس کے باطن کا بھی باطن ہے یہ سلسلہ سات بواطن تک یا ستر بواطن تک (چلتا ہے) پس اللہ اور اس کے رسول اکرمؐ نے امام عالی مقام کو مقرر فرمایا، تاکہ وہ اہل ایمان کو قرآنی حکمت اور روحانیت کا فیض پہنچاتا رہے۔

۵۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا مبارک ارشاد ہے: **ليس بين الله وبين حجة حجاب، ولا لله دون حجة ستر، نحن ابواب الله ونحن الصراط المستقيم ونحن عيبة علمه ونحن ترجمة وحيه ونحن أركان توحيد، ونحن موضع**

سِرِّہِ خدا اور اس کے حجت کے درمیان کوئی پردہ حاصل نہیں، اور نہ اپنے حجت کے سوا اللہ کا کوئی پردہ ہے، ہم (اُمّتہ) ہی خدا کے دروازے ہیں اور ہم ہی راہِ راست ہیں اور ہم اس کے علم کا صندوق ہیں اور ہم ہی اس کی وحی (اشارات) کا ترجمہ ہیں اور ہم اس کی توحید کے ارکان ہیں اور ہم ہی اس کے بھید رکھنے کی جگہ (یعنی گنجِ اسرار) ہیں۔ (المیزان فی تفسیر القرآن، جلد اول، ص ۴۱) امام اقدس واطہر کے اس بابرکت ارشاد سے یہ حقیقت مثل آفتاب عالمتاب روشن ہو جاتی ہے کہ امام زمانؑ ایسے ہی مرتبہ میں مُعَلِّمِ قرآن اور مُرْتَبِیِ عَقْلِ وِخِرْدِ ہیں۔

۶۔ خداوندِ قدوس کی رحمت، مہربانی، دستگیری اور توفیق سے یہ مقالہ لکھا گیا، اور اس کا نام ”لُبِّ لُبَاب“ مقرر ہوا، کیونکہ اس کتابچے میں جس حقیقت کا ذکر ہوا ہے، وہ لُبِّ لُبَاب ہے، یعنی خلاصے کا خلاصہ، عَطْر کا عَطْر، ست کا ست، بمعنی عَقْلِ خالص اور عَقْلِ کامل یا عَقْلِ کُلِّ، کیونکہ جو پُر محض وہی ہے، چنانچہ اس بندہ خاکسار کا خیال ہے کہ تذکرہ عَقْل اور متعلقہ اسرارِ قرآن و روحانیت کے انکشاف کی وجہ سے اس کتابچے کی بڑی اہمیت ہو سکتی ہے (ان شاء اللہ)۔

۷۔ ہمارے جلیل القدر بزرگانِ دین نے اپنی پُر مغز و گرانمایہ کتابوں میں جس حیرت انگیز تبحرِ علمی سے موضوعِ عَقْل کو زیرِ بحث

لایا ہے، اور اس پر جس بصیرت سے آفاق و انفس کے مستحکم دلائل و براہین کی روشنی ڈالی ہے، اس کی مثال و نظیر دنیا ئے علم و ادب میں نہیں ملتی، لیکن بڑی حسرت کی بات تو یہ ہے کہ ان خزانہ علمی میں سے بعض مفقود ہیں، بعض نایاب اور اگر کوئی ایسی انمول کتاب مل بھی جائے، تو عربی یا فارسی میں ہونے کی وجہ سے اکثر شائقین اس کے فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں، لہذا ایسے موضوعات پر لکھنے کی شدید ضرورت ہے۔

۸۔ سوال: آج سے تقریباً بیس سال قبل ایک مومن مخلص نے بغرضِ معلومات یہ پوچھا کہ آیا روحانی مشاہدات و تجربات کی بعض باتیں دوسروں کے فائدے کی خاطر ظاہر کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ میں نے بڑی عاجزی سے گزارش کی کہ اس کی دو مختلف صورتیں ہیں، اول یہ کہ جب تک کسی کے پاس ظاہری اور روحانی علم نہ ہو، تو اسے کچھ کچھ روحانیت کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، اس پر سخت پابندی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی مومن نے خدا و رسول اور امام وقت کی اطاعت و فرمانبرداری کی بدولت اتنی روحانی اور علمی ترقی کی ہو کہ اب اس کا نہ بولنا اور خاموش رہنا قرآن پاک کی نظر (۲۴۱) میں بڑا ظلم قرار پارہا ہے، تو وہ ایک ایسی بڑی گواہی کو کیسے چھپا سکتا ہے، جو خدا کی طرف سے ہے، اور قرآن و حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہارے پاس حق بات ہے تو اسے بیان کرو، مت

چھپایا کرو (۲۴/۱، ۳۱/۱، ۲۴/۱، ۲۴/۱) قولوا الحق ولو علی انفسکم الذی

۹۔ ہر مومن کو یہ جاننا از بس ضروری ہے کہ علم الیقین کیا ہے؟

اور اس کے ہونے سے کیا کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس

بارے میں عرض ہے کہ جس علم میں یقین کی روشنی موجود ہو، اور جس

سے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہو، وہ علم الیقین ہی ہے، جو مرتبہ

عین الیقین سے منتقل ہو کر یہاں آتا رہتا ہے، یعنی روحانی علم، یا علم

لُدنی، دوسرے الفاظ میں حکمت، یا معرفت یا تاویل اور حقیقی علم،

اس باب میں قرآن حکیم کا ایک مفہوم یہ ہے: اگر تمہارے پاس یقینی

علم ہوتا تو تم (دُنیا ہی میں) دوزخ کو دیکھ سکتے (۱۲/۱) علم الیقین

کی روشنی میں دوزخ کا مشاہدہ اس لیے ہو سکتا ہے کہ علم دنیا میں

بحد قوت بہشت ہے، اور جہل (جہالت) بحد قوت جہنم، پس علم

کی نظر میں جہالت جہاں بھی ہو، پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے، پھر

عین الیقین سے بحد فعل دوزخ نادانی کو دیکھنا اس سے الگ

ہے (۱۲/۱)۔

۱۰۔ حقیقی زندگی اور عقل کی فوقیت و فضیلت کے بارے

میں آفاق کی روشن دلیل یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں بمقتضائے

عقل و حکمت ایک خاص ترتیب اور ایک حکیمانہ درجہ بندی کے

مطابق رکھی ہوئی ہیں، جس میں سب سے نیچے جمادات اس لیے

ہیں کہ وہ بیجان ہیں، ان پر نباتات کو برتری حاصل ہے، کیونکہ

ان میں روحِ نامیہ (روحِ نباتی) کارفرما ہے، نبات سے حیوان برتر ہے، کیونکہ اس میں اگرچہ عقل تو نہیں، لیکن وہ روحِ حیوانی کی وجہ سے حس و حرکت کے قابل ہو گیا ہے، حیوانات پر انسان عقلِ جزوی کے سبب سے بادشاہ ہو گیا ہے، تاہم یہ آخری بات نہیں، کیونکہ انسانوں کے بھی بہت سے طبقات ہیں، جن میں ہر اد پر کا طبقہ عقل و دانش کی بنا پر اپنے ماتحت طبقے پر بادشاہ ہوا کرتا ہے، اور یہ دنیوی عقل کی مثال ہے، پس وہ جملہ مومنین جو دینی عقل کی تکمیل کے لیے علم و عمل سے سعی کر رہے ہیں، وہ ان شاء اللہ عوالمِ شخصی میں بادشاہ ہوں گے، کیونکہ بہشت کی خاص نعمتیں جو غیر فانی ہیں، وہ وہاں کی لازوال سلطنت میں ہیں (۶۶، ۶۷، ۵۲، ۶۶، ۶۷)۔

۱۱۔ اے برادرانِ دینی! آپ سب حقیقی علم کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیں، کیونکہ علم ہی عقل کی روشنی اور اس کا فعل ہے، جیسے سورج اور اس کی روشنی، یعنی عقل سرچشمہ اور نورِ مجتمع ہے، اور علم نورِ منتشر، یا یوں سمجھ لیں کہ عقل خزانہٴ دُر (دُر کی جمع) ہے اور علم اس میں سے بکھرے ہوئے موتیوں (دُرِ منشور) کی صورت ہے، یا علم ایک بجدِ حسین گلشن ہے، اور عقل ایسے ہی پھولوں کا عطر، یا علم انسانی زندگی جیسا ہے، جو خون کے ساتھ سارے بدن میں دوڑ رہی ہے، اور عقل مرکزِ حیات

یعنی دل کی طرح ہے، ایک اور مثال کے مطابق عقل صاف و شفاف پانی کا چشمہ ہے اور علم اس کی نہروں کا پانی ہے، جس سے ایک بڑی بستی آباد و سرسبز ہو گئی ہے، پس عقل اور علم کی بہت سی مثالیں اور بہت سے نام ہیں، جن کے جاننے سے بڑی بڑی حکمتوں کی کلیدیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

نصیر الدین نصیر۔ صونزائی۔ کراچی
ہفتہ، شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
۲۳ فروری ۱۹۹۱ء

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اسماءِ عقل کی حکمتیں

قسط: ۱۔

عقل کے کثیر ناموں اور بہت سی مثالوں میں خزانِ حکمت پوشیدہ ہیں، لہذا یہ امر از بس ضروری ہے کہ اس کے بعض قرآنی اسماء کا انکشاف کیا جائے، اس بارے میں سب سے پہلے اُس حدیث شریف کا بغور مطالعہ کرنا لازمی اور لا بُدی ہے، جو ابداً عقل کے باب میں مروی ہے، چنانچہ حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو وہ بحکم خدا بولنے لگی، پھر خدا نے اسے فرمایا: آگے آ، تو وہ آگے آئی، پھر اسے فرمایا: پیچھے جا، تو وہ پیچھے گئی، پھر ارشاد ہوا: میری عزت و جلالت کی قسم! کہ میں نے کوئی ایسی خلق پیدا نہیں کیا ہے، جو تیرے مقابلے میں مجھ کو زیادہ محبوب ہو، اور بات یہ ہے کہ میں تجھ کو صرف ایسے شخص میں کامل اور مکمل کر دیتا ہوں، جس سے میں محبت کرتا ہوں، ہاں میرے امرونی کا خطاب ہمیشہ تجھ ہی سے ہوتا رہے گا، اور عذاب و ثواب کا تعلق بھی تجھ ہی سے ہوگا ارشادِ نبوی کے عربی الفاظ ”میوہ بہشت“ ص ۱۴ پر درج ہیں۔

اس پر حکمت اور بابرکت ارشاد میں کنوڑہ حقائق و معارف کی کلیدیں مخفی ہیں، مثال کے طور پر پہلی کلید: خوب غور سے دیکھیں کہ اس میں صرف اور صرف عالم شخصی ہی میں عقل کے ظہور و کمال کا تذکرہ ہے، اور یہاں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ انسانِ کامل سے باہر عقل پیدا کی گئی ہو، اور عالمِ صغیر کے بغیر کمال ہوئی ہو۔ دوسری کلید: خدا کی طرف کسی مخلوق کا آگے آنا عروج ہے، اور پیچھے جانا نزول، جیسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ میں معراج پر جانے اور واپس تشریف لانے کی مثال موجود ہے۔ تیسری کلید: خدا نہ صرف عقل ہی کو محبوب رکھتا ہے، بلکہ ہر صاحبِ عقل بھی اس کو محبوب ہے، پس یقیناً عقل اور محبت دونوں لازم و ملزوم ہیں، یا یوں کہنا چاہیے کہ اللہ کی طرف سے محبت ایک نور ہے، اور عقل بھی نور ہے، لہذا ان دونوں کی وحدت ہے۔ چوتھی کلید: پروردگارِ عالم کے امر و نہی پر عمل عقل و دانش کے ساتھ ہونا چاہیے۔ پانچویں کلید: عذاب و ثواب کا تعلق عقل سے ہونا اس طرح ہے کہ جہالت و نادانی ہی عذابِ دوزخ ہے، اور علم و معرفت ہی نعمِ بہشت۔

خوب یاد رہے کہ حقیقی محبت یک طرفہ نہیں ہوا کرتی، بلکہ جابین میں ہو جاتی ہے، یعنی ربِّ العزت اپنے جن خاص بندوں کو محبوب رکھتا ہے، ان میں عشقِ الہی پیدا ہوتا ہے (۵/۵) اور اسی میں وہ عقل بھی ہے، جس کا بیان ہو رہا ہے، اب اس کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہوا کہ

قرآن حکیم میں جہاں جہاں علم و حکمت اور رشد و ہدایت کا ذکر آیا ہے ، وہاں لازماً مخفی مخفی آسمانی محبت کا تذکرہ بھی موجود ہے ، کیونکہ یہاں مذکورہ حدیث شریف کی روشنی میں یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ حقیقی محبت کے بغیر عقل و دانش کی کوئی تہمت و کمالیت نہیں ہو سکتی ، اب ذیل میں خداوندِ قدوس کی یاری اور دستگیری سے اسمائے عقل کی بعض حکمتیں اجاگر کرنے کے لیے سعی کی جاتی ہے :-

حمد ، مقام محمود : حمد اور مقام محمود عقل کے ناموں میں سے ہیں ، یعنی عقلِ کل ، جو خداوندِ تعالیٰ کی تعریف کا وسیلہ ہے ، عقل کے اسی پر حکمت نام سے اُم الکتاب کا آغاز ہوتا ہے ، اور ارشادِ ربّانی ہے : الحمد لله رب العالمین ، یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی تعریف ہے کہ وہ عقلِ کل کی حکیمانہ غذاؤں اور پاک محبتوں سے عوالمِ شخصی کی تربیت و پرورش کرتا ہے ، تاکہ مومنین فنا فی الامام ، فنا فی الرسول ، اور فنا فی اللہ ہو کر مقام محمود کے عقلی معجزات کا مشاہدہ کر سکیں ، اور وہ عالمِ شخصی میں ہے ، جس کی تعریف خود ذات سبحان نے کی ہے (۱۶/۷۹)۔

منجسۃ طیبہ : پاک درخت (۱۴/۲۴) یعنی سلسلہٴ امامت ، جو مظہرِ عقلِ کل ہے ، اس پاک و پاکیزہ درخت کی جڑ حضورِ اکرم صلعم کی ذاتِ عالی صفات ہے ، جو زمین دین میں مضبوط ہے اور شاخ امامِ وقت کا نورِ اقدس ہے ، جو آسمانِ روحانیت کی بلندی پر گوہرِ عقل کا

کام کر رہا ہے، اور رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے
(۱۴/۲۵) پس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ نکتہ یاد رہے کہ عقل کے دو مقام ہیں:
عالم ظاہر اور عالم باطن۔

نورِ ازل: جب عرفاء کے عالم شخصی میں نورِ عقل طلوع ہو جاتا
ہے تو یہی نورِ ازل ہے، ازل کو انتہائی بعید کا ماضی سمجھنا درست
نہیں، کیونکہ وہ لامکان کا دھرت ہے، یعنی عالم روحانی کا نہ گزرنے والا
زمان، چنانچہ وہ ازل بھی ہے اور ابد بھی۔

قلم: قلم عقل کا نام ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
الذی علم بالقلم (۹۶) جس نے قلم یعنی عقل کے ذریعہ سے تعلیم
دی۔ علم الانسان ما لم يعلم (۹۶/۵) اسی نے انسان کو وہ علم
سکھایا جس کو وہ کچھ جانتا ہی نہ تھا۔ اب اگر اس قلم کو مذکورہ تاویل کے
بغیر کلک ظاہر مان لیا جائے تو اس حال میں ربانی اور روحانی تعلیم
کا رخ ہمہ وقت اقوامِ عالم کی اس اکثریت کی طرف ہو کر رہے گا جس
کے ہاتھ میں بسا اوقات قلم ہوتا ہے، اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر
جو اکثر ان پڑھ تھے، تعلیم خداوندی سے بے نصیب رہ جائیں گے،
مگر یہ بات درست نہیں، لہذا حقیقت یہی ہے کہ قلم الہی عقلِ کل ہے،
جس سے خدا نے ہر انسانِ کامل کو علم الاسرار کی تعلیم دی۔

عرش: عرش سے نورِ عقل مراد ہے، حاصلانِ عرش
(۱۴/۲) اُمَّة طاهرين عليهم السلام ہیں اور قیامت کے دن حَمَلَةٌ

العرش اٹھ ہوں گے (۶۹/۱۷) یعنی سلسلہ نور کے ہر امام ہفتم کے عالم شخصی میں قیامت برپا ہوتی ہے، پھر امام ہشتم نورِ عقل کا حامل ہوتا ہے، اسی طرح یکے بعد دیگرے عرش اٹھانے والے اٹھ ہو گئے۔

آدمِ معنی : بہت سے آدموں میں سے ایک آدمِ عقلِ کل ہے اور نفسِ کلِ حوا ہے ان کا بہشت سے دنیا میں اُتر آنا مظاہر کے معنی میں ہے، جس طرح آپ کہتے ہیں کہ سورج نکل آیا، یعنی طلوع ہو گیا، اور کہتے ہیں کہ سورج ڈوب گیا، آپ کا یہ کہنا غلط نہیں، جبکہ اس کے برعکس یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ آفتاب اپنی جگہ پر قائم ہی ہے، وہ نہ طلوع ہوا، اور نہ غروب، چنانچہ بہشت ایسا مقام نہیں، جس کے درمیان سے کوئی باہر نکل آتا ہو، مگر یہ ہے کہ انتہائی ارتقاء کے بعد کسی عظیم روح کے لیے دنیا میں کوئی مظہر قرار پاتا ہے۔

حجرِ مکرم : یعنی بزرگ پتھر، جس سے بارہ چشمے جاری ہوئے (۲/۶۰) جس سے گوہرِ عقل مراد ہے، جس کا علم بارہ درجات میں روان ہے، اس کا مظہر عالمِ جسمانی میں امامِ زمان علیہ السلام ہے جو ہر وقت بارہ جنتوں کو علم دیتا رہتا ہے، لیکن یہ ضروری بات یاد رہے کہ امام عالی مقام کسی کو روحانی علم کے پانی پینے پر مجبور تو نہیں کرتا، جب تک کوئی مومن اپنے آپ میں شدید پیاس پیدا نہ

کرے، اور استسقا یعنی پانی طلب نہ کرے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال میں یہ ہے کہ خدا اور اس کے نبی کو یہ حال روشن تھا کہ بنی اسرائیل کو پانی کی شدید ضرورت ہے لیکن پانی کا معجزہ صرف اس وقت ظہور پذیر ہوا، جبکہ پیاسوں نے اپنے پیغمبر سے پانی مانگا اور پیغمبر نے اللہ کے حضور دعا کی (۱۶۰)۔

طُور، جبل : طُور اور جبل کوہِ عقل ہے، قرآن حکیم میں پہاڑوں سے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے، اس میں کوہِ عقل کے اسرار پنہان ہیں، جیسے ربِّ جلیل نے حضرت موسیٰ کے سامنے مجموعہ اسرارِ ازل کے پہاڑ پر جب اپنی تجسلی ڈالی، تو اس کے لاتعداد بھیدوں کے موتی بتدریج ایک ایک ہو کر کلیم اللہ کے ذہن و خاطر میں آنے لگے، یہ تجسلی کوہِ عقل کی آفاقی اور ہمہ رس برکت اور بقائے علمی کی مثال ہے۔

قولودِ نورانی : عقل اپنی بہت سی مثالوں کے سلسلے میں مولودِ نورانی (پُر نور فرزند) بھی ہے، اس لیے کہ وہ جامع الامثال بھی ہے، اور مجموعہ حقائق و معارف بھی، چنانچہ عارفین کے عالمِ شخصی میں نورانی فرزند اس وقت پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ نورِ عقل طلوع ہو جاتا ہے، جیسا کہ سورہٴ رعد (۱۳/۸) میں یہ کلمہ موجود ہے کہ ہر پیغمبر کی بیوی اور ذریت تھی، لیکن ظاہر میں دیکھا جائے تو حضرت یحییٰ (۳/۳۹) اور حضرت عیسیٰ کی اولاد کہاں سے ہو سکتی،

جبکہ انہوں نے شادی کرنے سے ہی گریز فرمایا تھا، اس سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ کلمہ میں حضراتِ انبیاء کی جن بیویوں اور ذریعات کا ذکر ہوا ہے، وہ روحانی ہیں، اگر آپ اس کے ساتھ ساتھ کتاب و جہدین میں گفتار یا کلام ۴۶ (نکاح و سفاح) کو بھی پڑھیں، تو بہتر ہوگا۔

قبض و بسط : یہ سترِ اعظم بڑا عجیب و غریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کائناتِ عقل کو ہمیشہ لپیٹتا اور پھیلاتا رہتا ہے، اور اس فعلِ خدائی کی نہ تو کوئی ابتدا ہی ہے، اور نہ ہی کوئی انتہا، یہ بہت بڑا رازِ بیانِ رزق و روزی کے حجاب میں پوشیدہ ہے، آیہ کریمہ کا وہ پُر راز حکمت ٹکڑا یہ ہے : **وَاللّٰهُ يُقْبِضُ وَيَبْسُطُ** (اور خدا اپنی مٹھی میں لیتا ہے اور پھیلاتا ہے) (۲۶/۴۵)، پس یہاں سے ”قبض و بسط“ عقل کے دو نام ہوئے۔

مَطْوِيَّات : مَطْوِيَّات کے معنی ہیں لپیٹی ہوئیں، یعنی روزِ قیامت خداوندِ عالم سارے آسمانوں کو دستِ قدرت میں لپیٹ کر وہی ٹولوئے مکتون بنا دیتا ہے، اُغنی دُرِّ عقل، جس کو وہ دُغْرُ اُسْمٰہُ پھیلا کر کائنات بناتا ہے، پس لپیٹی ہوئی کائنات سے عقل مراد ہے (۳۹/۶۷) کیونکہ اس میں جملہ عقلی نعمتیں یکجا اور جمع ہیں۔

وادی طوسی : وادی : پانی بہنے کی جگہ، یعنی سرچشمہ عقل،

جہاں سے آبِ علم جاری ہوتا ہے، دو پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی، عقلِ کل اور نفسِ کل کے اتصال کا مقام، طوسی: پیدہی ہوئی چیز؛ کیونکہ مرتبہ عقل وہ منزلِ مقصود ہے، جس میں پہنچ جانے سے روحانی سفر کی ساری ڈوریاں اور مسافتیں سمٹ جاتی ہیں (۲۰/۱۲)۔

وادی اَیْمُن : اس کے معنی ہیں: بہت برکت والی وادی، نیز داہنی طرف کی وادی، کیونکہ کوہِ عقل میں بے شمار برکتیں ہیں، اور اس کی سعی یعنی دوڑ (۵۶/۱۲) آگے اور داہنی طرف کو ہے، یہاں یہ نکتہ دلپذیر بھی یاد رہے کہ عالمِ علوی میں خدا کے دستِ راست عقلِ کل اور دستِ چپ نفسِ کل ہیں، اور عالمِ ظاہر میں ناطق و اساس کو یہی درجہ حاصل ہے، وادیِ مقدسِ طوسی: (۲۰/۱۲)، (۴۹/۱۴) وادیِ اَیْمُن: (۲۸/۳۰)۔

سراجِ منیر : یعنی چراغِ روشن، جو سرورِ انبیا و رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ اقدس ہے اور یہی خود نورِ عقل بھی ہے اور قلمِ الہی بھی، اگرچہ مظاہر میں نور کی کثرت نظر آتی ہے، لیکن جو سریرِ عین میں نورِ مطلق ایک ہی ہے، چنانچہ حضورِ اقدس و اطہر صلعم عالمِ بالا میں نورِ مجتہد ہیں، اور عالمِ ظاہر میں نورِ مجتہد، اور تمام انبیاء و ائمہ علیہم السلام آپ کے نمائندے ہیں، پروردگار کی طرف سے جو عظیم الشان اور رفیع المرتبت ہستی تمام جہانوں کے لیے رحمتِ کل بنائی گئی ہے، اس کے معنی ہی یہی ہیں کہ آنحضرتؐ

سب سے پہلے حضراتِ انبیاء و ائمتہ علیہم السلام کے عوالمِ شخصی کے لیے رحمت ہیں، اور ان کے توسط سے یہ رحمتِ خداوندی ہر زمانے میں پائی جاتی ہے۔

مُلک و مَلکوت: حقیقی بادشاہی (۶/۱۶۷) اور عالمِ روحانی (۳۶/۸۳) جو سرچشمہٴ عقل کے نقاب میں سے ہیں، ہر عالمِ شخصی میں خدا کی ایک سلطنت موجود ہے، وہی آسمانِ وزین اور ہر چیز کا ملکوت بھی ہے (۲/۲۲۷، ۶/۱۸۵) اور خدا یہ سب کچھ انسان کو عطا کر دینا چاہتا ہے، مگر اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مظہرِ نورِ عقل کی اطاعت کی جائے، وہ آلِ ابراہیم اور آلِ محمد کے سلسلے سے امامِ زمان ہیں۔

عَلِیُّنِ، عَلِیُّونَ: یہ رازِ قرآنِ حکیم کے انتہائی عظیم بھیدوں میں سے ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے عقلِ کل، نفسِ کل، ناطق اور اساس کو علیتین یا علیوں کا نام دے کر عالمِ علوی کی بلندی پر رکھا ہے، وہ چار انتہائی عظیم فرشتے ہیں، جو عالمِ وحدت میں ہونے کی وجہ سے ایک ہی میں چاروں ہیں، صرف یہی معجزہ نہیں بلکہ وہ بذاتِ خود ایک زندہ کتاب بھی ہیں، جس میں نیک لوگوں کا نامہٴ اعمال بول رہا ہے اور اللہ نے اپنی رحمت سے یہ امر مقربین کیلئے ممکن بنا دیا ہے، کہ وہ اس کتاب کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کریں (۱۸-۸۳/۱) ان محوٰلہ آیات کا حکیمانہ اشارہ یہ ہے کہ جو مومنین

زندگی ہی میں فنا ہو جاتے ہیں جیسا کہ اس کا حق ہے، وہ نہ صرف اپنے نامہ اعمال ہی کو کتاب مرقوم (۱۸۲۶ء) میں دیکھ سکتے ہیں بلکہ اپنی انانے علوی کو بھی اس بولتی کتاب کی وحدت و سالمیت میں پاتے ہیں۔

مثال برترین : خدائے علیم و حکیم نے اپنے خاص بندوں کو علم و حکمت سکھانے کے لیے ایک انتہائی جامع الجوامع مثال بنا دی ہے، جو آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین پر بھی، وہ وہاں عقل ہے اور یہاں مظہرِ عقل (۱۸۲۶ء) اور یہ بات ایک یقینی حقیقت ہے کہ تمام کائنات و موجودات کی تمثیلات و تشبیہات اور رموز و اشارات پر وہ بادشاہ ہے، اور وہی نورِ قرآن ہے، یعنی قلمِ عقل، پس ہر مثال کے باطن میں اسی کی علمی تجلیات میں سے ایک تجلی ہے، خواہ یہ مثال کتابِ سماوی میں ہو، یا آفاق و انفس میں، اسی کی حکمت ہر چیز میں پوشیدہ ہے اور اسی کی طرف ہر شے رجوع کر جاتی ہے۔

صندوقِ سکینہ : یعنی ایسا صندوق، جس میں اطمینان بخش چیزیں ہیں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تسکین کس نوعیت کی ہو سکتی ہے؟ کیا یہ صندوق صرف بنی اسرائیل کے لیے محدود تھا؟ یا یہ ایک دائمی اور عقلی معجزہ ہے؟ آیا کوئی عام مادی چیز امامِ طاووس کی روحانی سلطنت کی نشانی اور دلیل ہو سکتی تھی؟ اس

کا جواب یوں ہے: صندوقِ سکینہ پہلے مراحلِ روحانیت میں ہے، اور اس کے بعد منازلِ عقلانیت میں، لہذا یہ اطمینانِ جسمانی نہیں، بلکہ روحانی اور عقلانی ہے، یہ صندوقِ جواہرِ عقل ہے (۲۲۴۸) اس لیے یہ نورِ امامت کا دائمی عقلی معجزہ ہے، یہ بات خوب دلنشین ہو کہ مجموعی طور پر پیغمبروں کے معجزات ظاہر میں ہوتے ہیں، اور اماموں کے معجزات باطن میں، جو چیز پروردگار کی جانب سے باعثِ تسکین ہو، جس کو فرشتے اٹھاتے ہوں اور جس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کی (روحانی اور عقلی) میراث ہو، وہ کوئی عام اور مادی شے کس طرح ہو سکتی ہے؟

نیک لوگ تختوں پر: بہشت میں نیک لوگ تختوں پر بیٹھے نظر آئیں گے (۸۳۴۳) تختوں کا قرآنی لفظ (ارائک

ہے، جو جمع ہے، اور اُر ایک، واحد ہے، جو عرش کا ہم معنی ہے، پس اُر ایک یا اس ایک سے نورِ عقل مراد ہے، چنانچہ اہل جنت عقل کے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، اور ان کی ہستی ایک عقلی روشنی ہوگی، اس کی ایک مادی مثال چلتی ہوئی شمع (موم بتی) سے دی جاسکتی ہے کہ موم گویا بہشت میں روحِ مومن ہے، شعلہ تختِ عقل اور اس پر جو لطیف روشنی ہے کہ وہ وابستہ شعلہ بھی ہے اور پھیل بھی رہی ہے، وہ اہل جنت کی لطیف ہستی ہے جو بسیط اور ہر جا حاضر (OMNIPRESENT) ہونے کی صفت رکھتی ہے، لہذا مومن کی عقلی انا تختِ بہشت پر بیٹھ کر ہی مکان و لامکان کا

نظارہ کر سکتی ہے۔

ذُرِّیَّتِ بَنِي آدَمَ : اس میں کیا شک کہ الفاظِ قرآن انتہائی اور

زبردست جامع ہوا کرتے ہیں، مثال کے طور پر سورہ اعراف (۱۱، ۱۲) میں جس طرح عہدِ اُسْت کا ذکر آیا ہے، اس میں غور و فکر سے دیکھ لیجئے

اس آیتِ کریمہ کا آغاز اس طرح ہے : **وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّاسِ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَنبَايَ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَا كَانُوا يَعْبَهُونَ** یعنی جب

تمہارے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو لیا (اور

سب کو منازلِ روحانیت میں بلند کرتے کرتے عالمِ عقل میں پہنچا دیا،

جہاں ان کی دیدہ عقل روشن ہوئی) اور ان کو اپنی روح کا بالائی سرا

دکھایا گیا... خوب یاد رہے کہ **أَخَذَ** (اُس نے لیا، پکڑا) دستِ قدرت

کا فعل ہے، جس کا ظہور و کمال مقامِ عقل پر ہے، پس وہاں اس کی

مٹھی میں جو کچھ ہے، وہ سب کچھ ہے اور عقل و ذریتِ بنی آدم

بھی ہے۔

كُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز، یعنی تمام چیزیں، قرآن مجید میں جب

جب كُلِّ شَيْءٍ کا عنوان آتا ہے تو اس کے معنی سے باہر کوئی چیز

نہیں ہوتی ہے، کیونکہ كُلِّ شَيْءٍ سے تمام عقلی، روحی، اور جسمی چیزیں

مراد ہیں، اور ان میں سب سے خاص اور سب سے اعلیٰ عقلی چیز بھی

ہے، وہ مُؤَيَّتٌ یعنی دیدارِ الہی ہے، جس کے بغیر بے شمار

نعمتوں اور کرامتوں کی سیرِ صھی کا کوئی مقصد ہی نہیں، اور نہ ہی معرفت

ممکن ہے، پس اللہ جل جلالہ نے امامِ مبینؑ کی ذاتِ اقدس میں تمام

چیزوں کو گھیر کر شمار کر لیا ہے، اور انہیں گوہرِ عقل کی صورت دی ہے (۳۶/۱۲) اس سے معلوم ہوا کہ کُل شئی دراصل لوگوں نے عقل ہی ہے، خالقِ اکبر نے بارِ اول اسی سے کائنات و موجودات کو پیدا کیا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے: کیا وہ لوگ (چشمِ باطن سے) نہیں دیکھتے ہیں کہ خدا کس طرح مخلوقات کو پہلے پہل پیدا کرتا ہے اور پھر اس کو (دستِ قدرت میں گوہرِ ازل بنا کر) دوبارہ پیدا کرتا ہے (۲۹/۲۰)۔

صُحُفٍ مُّكْتُمَاتٍ : بہت مُعزز اور اراق (۸۶/۳) یعنی نورِ عقل کے ظہورات، جن میں قرآنِ کریم اپنی بے مثال ازلی نورانیت کے ساتھ درخشان و تابان ہے، جیسے لوحِ محفوظ میں اس پاک آسمانی کتاب کی روحانی صورت ہمیشہ کے لیے موجود ہے (۸۵ : ۲۱-۲۲) یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ قرآنِ عظیم خدا تعالیٰ کا کلامِ حکمت نظام ہے، لہذا یہ انتہائی پاک و برتر ہے، پھر ایسی لاہوتی کتاب میں نصیحت و عبرت کی خاطر اہل زمین کے بعض قصے بھی ضروری ہوئے، جن میں بظاہر کچھ باتیں مخلوق کی زبان سے ہیں، اس کے بارے میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

جواب : یقیناً قرآن میں بہت سے احکام کے ساتھ ساتھ حکایات بھی ہیں لیکن ان کی ترجمانی خدائے پاک و برتر کی طرف سے ہوئی ہے، یعنی ایسی تمام باتوں کو نورِ عقل (قلمِ الہی) کے سانچے میں ڈھل کر نازل ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، اسی مناسبت سے

قرآن کے بہت سے ناموں میں یہ دو مبارک نام بھی ہیں: ہر فوعہ، مُطَهَّرٌ (۸۷) بلند کیا گیا، پاک کیا گیا، پس قرآن حکیم کی ہر آیت میں علم و حکمت کا ایک خزانہ پنہان ہے، کیونکہ وہ ہر حالت میں مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (خدا کی طرف سے) ہے۔

مُحِبَّت اور عقل: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: **وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي** (۲۰۹) اور میں نے تم پر اپنی محبت کا پر تو ڈال دیا۔ یہاں یہ حقیقت روشن ہے کہ انسانِ کامل (پیغمبر اور امام) میں خدا اپنی محبت رکھ دیتا ہے، تاکہ لوگ اس سے محبت کریں، نیز کسی میں خدائی محبت ہونے کی غرض یہ بھی ہے کہ اس ہستی میں عقل درجہ کمال پر پہنچ جائے، جیسا کہ شروع ہی میں حدیث شریف کے حوالے سے اس کا ذکر ہوا۔

کنزِ مخفی: ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ پروردگارِ عالم پوشیدہ خزانہ تھا (یعنی خزانہ اسرارِ عقل) پس اس نے چاہا کہ اس کو پہچانا جائے سو اس نے خلق کو پیدا کیا۔ یہ عالمِ شخصی ہی کی بات ہے کہ خداوندِ علیم و حکیم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے عارفین کو جسماً، روحاً، اور عقلاً پیدا کر کے اپنی معرفت کے قابل بنا دیا، اور اس بات میں اس کے لاتعداد احسانات کا اشارہ ہے کہ اس بے مثال مہربان نے اپنی ذاتِ پاک کو گنجِ مخفی قرار دیا، تاکہ جو شخص اپنے آپ کو سب سے زیادہ پہچانتا ہو، وہی معرفتِ الہی میں سب سے آگے ہو، اور

یہ خزانہ اسی کا ہو جائے، جیسا کہ حدیثِ نبوی کا ارشاد ہے: مَنْ
كَانَ لِلَّهِ كَانِ اللَّهُ لَهُ (جو بحقیقت خدا کا ہو تو خدا بھی اسی کا ہو
جاتا ہے۔)

آفتابِ عقل: قرآنِ حکیم میں نورِ عقل کا ایک نام ”شمس“
بھی ہے، مثال کے طور پر قصہ ذوالقرنین (۱۸: ۸۳-۹۸) میں دیکھ
لیں، یعنی عقل ہی عالمِ شخصی کا سورج ہے، اور یہ بھی یاد ہو کہ جہاں
کوئی سورج ہوتا ہے، وہاں ایک کائنات بھی ہو کرتی ہے، چنانچہ
اس مادی دنیا میں ظاہری سورج کی جیسی ضرورت ہے، عالمِ شخصی
میں آفتابِ عقل کی بھی ویسی ہی اہمیت ہے، سورہ تکویر (۸۱) میں
ارشاد ہوا ہے: جس وقت آفتاب لپیٹ لیا جائے گا۔ یعنی ہر عارف
کی ذاتی قیامت میں نہ صرف منزلِ عزر ایشلی ہی میں بلکہ مرتبہ عقل پر
بھی یہ مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ بارہا کائناتِ جان و عقل لپیٹی اور
پھیلانی جاتی ہے، اور اس فعلِ قدرت میں بے شمار اسرار
مخفی ہیں۔

نفس و احدہ: آپ کو یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ
حضراتِ انبیاء و ائمة علیہم السلام میں سے ہر ایک اپنے وقت کا نفس
واحدہ (۳۱/۸) ہوا کرتا ہے، یعنی ایسا فرد واحد اور ایسا شخصِ کامل کہ
اس کی ذات میں تمام نفوسِ خلائق کی قیامت برپا ہو جاتی ہے،
درحالیہ کہ کچھ پاکیزہ روحوں کے سوا اس واقعہِ عظیم کو کوئی نہیں جان

سکتا، جس کی وجہیں دو ہیں، پہلی وجہ: وہ مومن تھا، مگر علم و عبادت میں کمزور، لہذا اس پر ناقابل برداشت بوجہ نہیں رکھا گیا (۲۶/۷)،
 دوسری وجہ: وہ مومن نہیں تھا، اس لیے وہ قیامت سے اندھا رہا (۲۶/۲، ۲۶/۴) کاش وہ عقلِ کامل یعنی نفسِ واحدہ کو پہچان لیتا!

نورِ عقل کا فیضِ عام: یقین کے تین بڑے درجات

کے بارے میں آپ جانتے ہوں گے، ان میں سے ہر درجہ گویا بہت اونچی سیڑھی ہے، جس کے بہت سے زینے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے علمِ ایقین کی سیڑھی بے حد ضروری ہے، کیونکہ راہِ مستقیم یہی ہے اور اسی سیڑھی پر نورِ عقل کا فیضِ عمیم حاصل ہوتا رہتا ہے، ایک مثال: جو بیماری انسانی جسم میں درد کے بغیر آگے بڑھتی رہتی ہو، وہ زیادہ خطرناک ہوا کرتی ہے، اسی طرح اگر کوئی آدمی شک و شبہ اور جہالت و نادانی کا مریض ہے، تو اکثر وہ کسی ایسے درد کو محسوس ہی نہیں کرتا، پس مومن کی بہت بڑی سعادت اسی میں ہے کہ وہ ہر وقت حصولِ علمِ ایقین میں مصروف رہتا ہے، تاکہ وہ شکوک و شبہات کے جراثیم سے محفوظ رہے۔

عُرْوَةُ الْوُثْقَى: اس کے معنی ہیں: دستاویزِ محکم، دستگیرہ

محکم (۲۶/۵۶) یعنی دین کا وہ مضبوط ترین وسیلہ، جس کو پکڑنے سے پائے عقیدت میں کوئی لغزش نہ آئے، اس سے عقل اور اس کا منظر

مراد ہے، جو اللہ کی رسی ہے، جس کا بالائی سرا خدا کے ہاتھ میں ہے، اور زیرین سرا مومنین کے ہاتھ میں، تاکہ اہل ایمان اس ذریعے سے عالم بالا میں پہنچ جائیں۔

حبل اللہ : خدا کی رسی (۳/۱۰۴) نورِ عقل ہے، جو قرآن اور نورِ امامت کی صورت میں سرچشمہ علم و ہدایت ہے، حدیث شریفہ میں ارشاد ہے کہ خدا کی کتاب (قرآن) آسمان سے زمین تک کھچی ہوئی رسی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ منازلِ روحانیت و عقلانیت میں سے کوئی منزل ایسی نہیں جہاں قرآن اور نورِ امامت کی یہ رسی نہ ہو، کیونکہ آیہ کرمیہ (۵/۵) سے یہ حقیقت بدرجہ یقین روشن ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں اگر القدر چیزیں اللہ کی طرف سے آئی ہیں، اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

عقلی معجزات : قرآن پاک میں معجزہ کا نام ایہ ہے (۱۳/۲۸) جس کی جمع آیات ہے، اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو قرآن حکیم کی ہر آیت فعلاً ایک دائمی عقلی معجزہ ہے، اسی طرح قرآن عظیم سرتاسر معجزاتِ علمی کا عالم ہے، اور بڑی عجیب بات یہ ہے کہ فرقانِ جمید میں انبیاء علیہم السلام کے جن حسی معجزات کا ذکر آیا ہے، وہ بھی حجابِ روحانیت کے پیچھے روحانی اور عقلی معجزات ہیں، اب رہا سوال آیاتِ آفاق و انفس کا (۴/۴) تو وہ بھی کسی شک کے بغیر معجزاتِ الہی ہیں، لیکن لوگوں کے لیے وضاحت چاہیے کہ سائنسی

عجائب و غرائب (معجزات) میں عقل و روح کے کیا کیا اشارے ہو سکتے ہیں؟ اس کے لیے دیکھیے: قرآنی مینار، سائنس اور روحانیت

بجز علم پر عرش : ارشادِ خداوندی کا ترجمہ: اور وہ تو

وہی (قادرِ مطلق) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا (کان، ،) تاویلی حکمت: خدا نے عالمِ شخصی کے آسمانوں اور زمین کو روحانیت کے چھ چھوٹے چھوٹے ادوار میں پیدا کیا اور نورِ عقل جو اس کا تخت ہے اس کا ظہور علم کے سمندر پر ہوا، یعنی کتابِ معرفت کا کہنا یہ ہے کہ روحانیت وہ عالم ہے جس کے شروع کے چھ مراحل پیغمبروں خصوصاً چھ ناطقوں کی شناخت سے متعلق ہیں، اور ساتواں مرحلہ جو بڑا طویل ہے، وہ امام، امامت، قائم اور قیامت کی پہچان کے بارے میں ہے، اور یہاں انتہائی عظیم خزانے رکھے ہوئے ہیں۔

کوہِ قاف: اس سے کوہِ عقل مراد ہے، جو ہر چیز پر محیط ہونے کے ساتھ اپنی نوعیت کا ایک عالم بھی ہے، جس میں سب کچھ ہے مگر متحد یعنی ایک ہو کر، شروع شروع میں آپ کو بڑا تعجب ہو گا کہ ایک میں سب کیسے ہو سکتے ہیں! اور کس طرح سما سکتے ہیں! لیکن آگے چل کر آپ یقین کریں گے کہ یہ بات حقیقت ہے، اس کی ایک ظاہری مثال عددِ واحد (۱) ہے، جس سے اربوں کھربوں سے بھی زیادہ شمار کا ایک علم وجود میں آیا ہے، اور وہ "علم الحساب" کہلاتا ہے، اب آپ دُنیا ئے علم

حساب کا وہ اصل ظرف بتائیں، جس میں عددی کائنات کا سارا پھیلاؤ سمٹ سمٹ کر سما سکتا ہے؟ وہ وہی عددِ واحد ہے جس سے اعداد و شمار کی دنیا پھیلائی گئی تھی، اس سے نورِ عقل یا طورِ عقل کی وضاحت ہوئی کہ جب پروردگار اس پر اپنی تجلی ڈالتا ہے، تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اور یہ بے شمار ذرے جو تجلی حق کے زیرِ اثر پیدا ہو گئے، وہ عبث اور بے معنی کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہذا یہ کہنا حقیقت ہے کہ اس مثال میں بے شمار عقلی اور روحانی نعمتوں کا ذکر ہے۔

نصیر الدین نصیر ہونزائی، کراچی

بدھ ۶ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

۲۳ جنوری ۱۹۹۱ء

In for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

اسمائے عقل کی حکمتیں

قسط: ۲

چشمہ سلسبیل: قرآن کریم میں جہاں جہاں آپ پاک کا ذکر آیا ہے، وہ حقیقی علم کی مثال ہے، جو سرچشمہ عقل سے جاری ہے، چنانچہ سورہ رحمان (۵۵، ۵۶) اور سورہ دھر (۶۱، ۶۲) میں عقلی اور علمی چشموں کا بیان ہے، کیونکہ جس طرح دنیائے ظاہر کی ساری نعمتیں اور برکتیں پانی کے بغیر ناممکن ہیں، اسی طرح روحانیت اور بہشت کی کوئی نعمت ولذت سرچشمہ عقل و علم کے سوا ہونہیں سکتی، پس چشمہ سلسبیل عقل کا ایک نام ہے۔

مقام ابراہیم: مقام کے پہلے معنی ہیں کھڑا ہونے کی جگہ، دوسرے معنی ہیں انبعاث کی جگہ، اور وہ مرتبہ عقل ہے، جس میں معجزہ ابداع و انبعاث کا ظہور ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پتھر پر پھڑے ہوئے تھے، تاکہ خانہ کعبہ کی دیواریں اونچی کریں، اس سے گوہر عقل مراد ہے، جس کے ذریعے سے ذاتی دنیا میں تعمیر بیت اللہ کا تجدد و امثال

ہوتا ہے، اسی امکانی ارتقاء کے پیش نظر حکمِ خداوندی ہے:

وَ اتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضِلًّا (۲۱، ۲۵) اور ابراہیمؑ کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ۔ یعنی تم روحانیت میں اتنی ترقی کرو کہ امامِ زمانؑ کا نور تمہارے قلب میں طلوع ہو جائے، جس کی روشنی میں تم یقیناً کعبہ حقیقت کی تعمیر کا مشاہدہ کرو گے اور اسی طرح بیتِ عتیق (۲۲: ۲۹، ۳۳) اور مقامِ ابراہیمؑ تک رسائی ہو سکتی ہے، البیت العتیق کے معنی ہیں قدیم گھر، نیز عتیق بروزنِ نعیل بمعنی فاعل آزاد کرنے والا، یعنی وہ گھر جس میں داخل ہو جانے سے لوگوں کو تقلید و جہالت کی زنجیروں سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

حدید۔ لوہا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وانزلنا

الحديد فيه بأسٌ شديدٌ ومنافعُ للناس (۵۶/۵) اور ہم نے ہی لوہے کو نازل کیا جس کے ذریعے سے سخت لڑائی اور لوگوں کے بہت سے نفع (کی چیزیں) ہیں۔ یعنی علمِ امامت جو سرچشمہ عقل سے نازل کیا گیا ہے، جس کا کردار روحانی اور علمی جہاد میں بڑا زبردست ہے، مزید برآں اس میں لوگوں کے لیے اور بھی فائدے ہیں، جس طرح مادی لوہے سے اسلحہ اور سامانِ جنگ بنائے جاتے ہیں، اسی طرح امامؑ کے علم سے روحانی ہتھیار تیار ہوتے ہیں، جو تاویلی حرب کے لیے انتہائی شدید ہیں، ان میں ابداعی کُرتے خاص ہیں، جو منزل

عزرائیلی اور کارخانہ عقل میں بنتے ہیں۔

دلیل روشن : بَيِّنَةٌ (۱/۴۲) یعنی عقلی دلیل، آیہ شریفہ کا مفہوم اس طرح ہے کہ: جو شخص دلیل روشن کی رُو سے مرچکا ہو، اس کی جسمانی زندگی سے موت بہتر ہے، اور جو عقلی طور پر زندہ ہو تو اسے جسماً بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔

سقف مرفوع : وہ چھت جو بلند کی گئی ہے، یعنی آسمان عقل جو زمینِ نفس (جان) سے بلند کر کے بنایا گیا ہے، یہاں یہ سببِ اعظم پوشیدہ ہے کہ عالمِ شخصی کا عرشِ روح کے ارتقاء سے بنتا ہے، کیونکہ سقفِ مرفوع سے عرش (عقل) مراد ہے اور لفظ مرفوع اسمِ مفعول ہے، یعنی مذکورہ چھت کو فاعل نے پستی سے اٹھا کر بلندی پر رکھ دیا ہے، متعلقہ آیہ مبارکہ یہ ہے: وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ (۵۲/۵) اور قسم ہے اونچی چھت کی۔

رفعِ طور : قرآنِ حکیم میں تین بار یہ ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کے اوپر کوہِ طور معلق کر کے دکھایا گیا، تاکہ وہ ڈر کر توبہ کے احکام پر عمل کریں (۲۴/۳) اس کی تاویلی حکمت عالمِ شخصی میں یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے روحانی افراد کے مشاہدے میں کوہِ عقل ان کے اوپر گردش کر رہا تھا۔

سجرا نہار : وہ پتھر جس سے (علم و حکمت کی) نہریں جاری ہوتی ہیں، وہ سنگ جس کے شک ہو جانے سے عقل و

دانش کا پانی نکلتا ہے، اور وہ حجر جو خدا کے خوف سے گر جاتا ہے (۳۴/۲) گوہرِ عقل ہی ہے، کیونکہ اللہ سے ڈرنے کا وصف جمادات، نباتات اور حیوانات میں کجا، وہ تو عام انسانوں کو بھی چھوڑ کر علمائے ربانی (ائمہ طاہرین) میں ہوتا ہے (۳۵/۲۸) اور گوہرِ عقل انہی حضرات میں ہے۔

جناتِ معروشات : ایسے باغ جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں، جیسے انگور وغیرہ، یہ باغہائے عقل ہیں، (۶۱/۱) جو روح و روحانیت کی بلندیوں پر ہیں اور ان کے نیچے روحانی باغات ہیں، جو غیر معروشات (۶۱/۱) کے نام سے ہیں، غرض عقلی میوے روحانی پھلوں سے برتر اور افضل ہیں۔

مکانا علیاً : اونچی جگہ (۱۹/۱) یعنی عالم شخصی میں مرتبہ عقل، جہاں عرش اور اس کے متعلقات کی معرفت کا خزانہ مخفی موجود ہے اور ازل و ابد کا تہجد بھی اسی مقام پر ہے، چنانچہ خداوند بزرگ و برتر نے حضرت ادریس علیہ السلام کو نورِ عقل عطا کر کے بلند فرمایا، آپ علیہ السلام اپنے وقت کے امام تھے۔

میزان : اللہ تبارک و تعالیٰ نے عقلِ کل کے آسمان کو نفسِ کل کی زمین سے الگ کر کے (۶۱/۱) بلند کیا اور (اس میں) ترازو رکھ دی (۵۵/۱) یعنی عقلی آسمان میں میزانِ عقل مقرر ہوئی، پھر خدا نے اپنے پیغمبروں کو واضح و روشن معجزات دے کر بھیجا

اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازوئے عقل نازل کی (۵۷/۲۵) یہاں یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ جو ترازو ہر آسمانی کتاب کے ساتھ نازل ہوتی رہی ہے، اس کا خاص تعلق قرآن پاک سے کیوں نہ ہو، پس یقیناً یہ میزان نورِ عقل اور نورِ علم ہے، جو آنحضرتؐ کے بعد امامِ عالی مقام میں موجود ہے، اور یہ وہی نور ہے، جس کا ذکر سورۃ مائدہ (۵/۱۵) میں فرمایا گیا ہے۔

خیرِ کُلِّ : بِبَدَاكَ الْخَيْرُ۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے (۳۶/۶) جب اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے ساری کائنات کو لپیٹ کر قبضہ قدرت میں لیتا ہے، تو اس وقت شہر کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور خدا کی مٹھی میں خیر کے ساتھ دوسری تمام چیزیں بھی خیر ہو جاتی ہیں، اسی طرح اب یہ جو ہر اور بُبَابِ مے کائنات کا، جس سے بارِ اول کائنات پیدا کی گئی تھی، اور دُورِ عقل یہی ہے، جو خیرِ کُلِّ ہے۔

عصائے موسیٰ : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لامٹھی کا ذکر قرآن کریم کے دس مقامات پر موجود ہے، یہ عصا عالمِ شخصی میں اسمِ اعظم اور معجزہ عقل ہے، یہ دونوں انتہائی عظیم معجزے جو ایک ہی لامٹھی کے دونوں سروں کی طرح کام کرتے ہیں، وہ باطل اور شر کی تمام قوتوں پر غالب آنے کے لیے کافی ہیں، دینِ حق کا معجزہ حضرت موسیٰ کی لامٹھی کی طرح اگرچہ خاموش، ساکن اور بیجان لگتا ہے۔

لیکن یہ اپنے طور پر سحر زمانہ کے سارے طوفانوں کو نگل لینے والا اژدھا ہے۔

کتاب مکنون : پوشیدہ کتاب، چھپائی ہوئی کتاب (۵۶، ۸)، جو قلمِ الہی (عقلِ کلّ) میں بھی ہے، لوحِ محفوظ (نفسِ کلّ) میں بھی، نورِ امامت میں بھی ہے، اور خود قرآن کے باطن میں بھی، اس کو بس وہی لوگ چھوتے ہیں، جو جہالت و نادانی کی آلائش سے پاک کیے گئے ہیں، اور چھونے کا سب سے عظیم راز یہ ہے کہ مرتبہ عقل پر اسرارِ حقائق و معارف کا تہجد چھونے کی مثال میں ہوتا ہے جس میں بے شمار بھیدوں کی وحدت و یکجائی ہے۔

عقلی نعمتیں : جسم ظاہر ہے، مگر روح باطن، اور عقل اس سے بھی باطن ہے، پس قرآنِ حکیم کو لازمی طور پر اسی قانونِ فطرت کے مطابق ہونا ہی تھا، اور ایسا ہی ہوا کہ اس کی بے مثال اور لازوال نعمتیں نہ صرف ظاہر میں پھیلی ہوئی ہیں، بلکہ بے پایاں نعمتوں کا تعلق باطن سے ہے، جیسا کہ سورہٴ لقمان کا یہ ارشاد ہے (ترجمہ) : کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یقیناً خدا ہی نے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں (۳۱/۱) اس قرآنی بیان سے یہ حقیقت روزِ روشن سے بھی زیادہ عیان اور تابندہ ہو گئی کہ قرآن کے باطن اور روحانیت میں روح اور

عقل کے لیے بے حساب نعمتیں موجود ہیں۔

عالم یا عاقل: قرآن عزیز میں جا بجا براہِ راست اور بالواسطہ عقل کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، بلکہ یوں سمجھ لیں کہ کلامِ الہی کے شروع سے لے کر آخر تک عقل ہی کا موضوع پھیلا ہوا ہے، کیونکہ عقل خلقِ اول بھی ہے، اور خلقِ آخر بھی، اس لیے اس کے ظاہری اور باطنی بہت سے اسماء ہیں، کثیر مترادفات اور اضداد ہیں، اور جملہ مثالیں بھی اسی سے متعلق ہیں، اگرچہ علم ہر چیز پر محیط ہے، لیکن اس کا سرچشمہ عقل ہے، لہذا علم کی تعریف بھی حقیقت میں عقل ہی کی تعریف ہے، پس قرآن میں علماء سے عقلاً مراد ہیں (۲۹/۴۳) اور یہ اُمَّةٌ طاهراً بن علیہم السلام ہیں، جو قرآنِ حکیم اور اس کی مثالوں کی حکمت کو جانتے ہیں (۲۹/۴۳)۔

عقل اور علم کی یکجائی: اگرچہ اہل دانش اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نورِ عقل کی روشنیوں کا نام علم ہے، تاہم بعض تلامیذ کے لیے اس آیت شریفہ کی نشاندہی ضروری ہے، جس میں لفظِ عقل اور علم ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، وہ ارشاد یہ ہے: وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (۲۹/۴۳) اور ہم یہ مثالیں لوگوں (کے سمجھانے) کے واسطے بیان کرتے ہیں اور ان کو تو بس علما ہی سمجھتے ہیں (سورہ عنکبوت ۲۹/۴۳) یہ علماء اُمَّةٌ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔

عقل اور اشارہ : عقل کا ظہور عالم علوی میں اشارات پر مبنی ہے، اور قرآن پاک بھی اپنی نورانیت میں اشارہ ہے، کیونکہ وہ وحی ہے، یعنی اشارہٴ خفی، لفظ کے اس معنی کے لیے سورہٴ مریم (۱۹/۱۱) میں دیکھئے : فاوحیٰ الیہم پس ان کی طرف اشارہ کیا، اب آپ یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم میں لاتعداد حکیمانہ اشارے ہیں، جن کا تعلق صاحبانِ عقل (اولوالالباب) سے ہے اور وہی حضرات اسرار و رموزِ قرآن کو جانتے ہیں۔

صاحبانِ عقل اور نصیحت : اسمائے قرآن میں سے ایک اسم ذکر (۲۱/۵۰) ہے، اس کے معنوں میں سے ایک معنی ہیں نصیحت، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ قرآنِ عظیم سراسر نصیحت ہے، اور نصیحت کا فائدہ عقلمندوں کے لیے ہے، جیسا کہ ارشاد ہے : وما یذکرُ الاّ اولوا الالباب (۲/۲۶۹) اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت مانتا ہی نہیں۔

آیاتِ قرآن میں تند بس : سورہٴ محمد (۴۶/۴۴) میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو قرآن میں غور نہیں کرتے ہیں، اس کے برعکس سورہٴ ص (۳۸/۶۹) میں عقل والوں کی توصیف فرمائی گئی ہے کہ وہ حضراتِ آیاتِ قرآن میں تدبّر و تفکر کر کے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

ہدایت کا تعلق عقل سے : جملہ قرآنِ مقدس ہدایت

ہے، جس کا تعلق عقل سے ہے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ بات کو جی لگا کر سنتے ہیں اور پھر اس میں سے اچھی بات (احسنہ) پر عمل کرتے ہیں یہی لوگ وہ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی اور یہی لوگ عقلمند ہیں (۳۹/۱۸)

صاحبانِ عقل اور آیاتِ قدرت: آیاتِ قرآن، آیاتِ کائنات اور آیاتِ عالمِ شخصی میں غور و فکر کے نتائج ایک جیسے ہیں، جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے: اس میں تو شک ہی نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے پھیر بدل میں عقلمندوں کے لیے قدرتِ خدا کی (بہت سی نشانیاں ہیں) عقل والے وہ ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے (غرض ہر حال میں) خدا کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور و فکر کرتے ہیں (۳: ۱۹۰-۱۹۱) پس یہاں یہ حقیقت روشن ہے کہ صحیفہ کائنات کا مطالعہ صرف عقل والے ہی کر سکتے ہیں۔

حکمت (۲/۶۹): عقل کا ایک خاص اور مشہور نام حکمت ہے، حکمت دنیوی بھی ہے اور دینی بھی، اس لیے آپ جب کتبِ لغت میں اس لفظ کی تحقیق کریں گے، تو یہ نہ سمجھنا کہ دینی حکمت اور فلسفہ ایک ہی چیز ہے، جبکہ حکمتِ اللہیہ اور چیز ہے، جس کے لیے قرآن میں غور سے دیکھنا ہوگا، کہ حکمت وہ عقل و دانائی ہے، جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے: وَمَنْ يُؤْتِ

الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً (۲۶۹) اور جس کو حکمت عطا کی گئی تو یقیناً اسے خوبیوں کی بڑی دولت ملے گی۔

حکمت بالغہ : درجہ انتہا کی دانائی، آسمانی حکمت کی یہ تعریف سورہ قمر (۵۴) میں ہے، اگر کوئی ہوشمند مومن اس معنی میں بجا طور پر غور کرے تو اسے بہت کچھ علمی فائدہ ہو سکتا ہے، مثلاً حکمت بالغہ کے لفظی معنی ہیں سچے والی حکمت، عقلِ رسا، عقلِ کامل، ایسی دانائی کی بات کہ اس کی گہرائی میں ستر ازل کا کوئی اشارہ موجود ہو، ایسی ہدایت جو ادھوری نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے منزلِ مقصود تک جا پہنچتی ہے، ایسا علم جس کا تذکرہ بظاہر درمیانی منزلوں کے بارے میں لگتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کا تعلق گنجِ معرفت سے ہے، جو نورِ عقل کے ساتھ ہے، اور حکمت بالغہ وہ ہے، جو عالمِ علوی سے بیٹھی بن کر دنیا میں اتر آئی ہے، تاکہ خوش بخت مومنین اس سے زینہ بزینہ چڑھ کر عالمِ بالا میں پہنچ جائیں۔

لفظِ تاویل : طالبانِ دانش کے لیے یہ ایک بڑا اہم سوال ہے کہ لفظِ تاویل کے اصل معنی کیا ہیں؟ اور اس کا مقصد منشا کیا ہے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ تاویل لفظِ اول سے ماخوذ ہے، اور تاویل بروزنِ تفعیل مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: اول کی طرف پھیرنا، اور مراد ہے کسی بات کے معنی کو باطن، روحانیت اور عقلانیت کی طرف پھیرنا یا لے جانا، مثال کے حجاب میں سے

حقیقت کو ظاہر کرنا، جیسے سورہ یوسف (۱۲/۴۲) میں سات گاؤں حقیقت نہیں مثال ہیں، پس تاویل حکمت کا دوسرا نام ہے، جو خدا کی طرف سے ہے۔

ایک بنیادی سوال: خوب غور سے سن لیں یہ سوال سورہ یوسف کے حوالے سے ہے کہ آیا وہ حکمت جس سے خیر کثیر وابستہ ہے (۶۲۶۹) حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی یا نہیں؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہاں، تو پھر تاویل وہی حکمت قرار پائے گی، جس میں خوبیوں کی بڑی دولت موجود ہے، اور حقیقت یہی ہے کیونکہ خدائے پاک و برتر ہی نے حضرت یوسف کو علم تاویل سکھایا اور اللہ جس کو علم دیتا ہے، وہ کوئی ثانوی قسم کا علم ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام ذیلی علوم کا اصل سرچشمہ ہوتا ہے، پس یہی کہنا بالکل درست اور حقیقت ہے، کہ جو اصل تاویل ہے، وہی حکمت بالغہ ہے اور اسی میں خیر کثیر ہے۔

حضرت یوسف اور تاویل: حضرت یوسف پیغمبر تھے اور امام بھی، آپ کو خدا نے علم تاویل اس طرح سکھایا کہ شروع شروع میں رفتہ رفتہ منازل روحانی کا سلوک مکمل ہو گیا، پھر ذاتی دنیا ہی میں ارض اللہ (زمین نفس کل) کی خلافت عنایت ہوئی، تاکہ اُس عالم بالا کے پر نور و پر حکمت مشاہدات کی روشنی میں ظاہری باتوں کی تاویل کر سکیں (۱۲/۴۱) پس جس شخص نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا

ہو جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے، وہ تاویل نہیں کر سکتا، اور جن کو امام زمانؑ نے تاویلی جنگ کے لیے اپنے سپاہی بنالیا ہو، وہ اپنی حیثیت کے مطابق تاویل کر سکتے ہیں، کیونکہ تاویل ایک عقلی جنگ ہے، جس کے لیے علمی لشکر کا ہونا از بس ضروری ہے۔

یک حقیقت کی مثالیں: حقیقتِ حقائق ایک ہی ہے،

اور وہ ”یک حقیقت“ کہلاتی ہے، جس کی بے شمار مثالیں ہیں، یہ نورِ عقل ہی کا تذکرہ ہے، اسی کی حرکت اور طلوع و غروب کی اتنی ساری تعبیریں کی گئی ہیں، ہر تعبیر اور ہر مثال باکمال اور لاجواب ہے، آپ سورہ

اسراء (۱۰۸)، سورہ کھف (۱۸)، سورہ روم (۳۰)، اور سورہ زمر (۳۹) میں دیکھ لیجئے، عقلِ کل کی مثالوں کی یہ کثرت اس وجہ سے ہے کہ اس کو خدائے بزرگ و برتر نے تمام ممتولات (حقائق) کا کنزِ مخفی

بنادیا ہے، سبحان اللہ!

عرشِ ہر چیز پر محیط: عرش سے عقلِ کل مراد ہے، جو

نورانی اور علمی اعتبار سے کائنات و موجودات پر محیط ہے، اسی وجہ سے مولا علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ”مجھ سے ہر اس چیز کے بارے میں پوچھ لو جو عرش (یعنی عقل) کے نیچے ہے“ کیونکہ نورِ نبوتِ قلم، عرش اور عقلِ کل ہے، جبکہ نورِ امامت، لوحِ کرسی اور نفسِ کل کا درجہ رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک ہی نور ہے، جو نورِ عقل ہے، لہذا امیر المومنینؑ نے بزبانِ حکمت یہ فرمایا کہ: مجھ سے پوچھو

تمام چیزوں کے بارے میں، کیونکہ ہر چیز میرے نور کے تحت ہے۔
عقل کی اولیت : انسان اشرف المخلوقات سہی، لیکن وہ
 شکیم ماور سے پیدا ہوتے ہی کبھی عاقل و دانا نہیں کہلا سکتا، بلکہ حکمت
 اس امر میں ہے کہ وہ فطرت کے تمام ارتقائی مراحل میں شروع سے آخر
 تک سفر کرتا ہے، چنانچہ وہ سب سے پہلے جماد کی طرح بے جان ہوتا
 ہے، پھر نبات کی مختلف منزلیں طے کرتا ہے، پھر روح حیوانی کے
 مقامات سے گزرتا ہے، پھر اس میں روح انسانی آتی ہے، اور سب
 سے آخر میں عقل جزوی آتی ہے، اب اس کی تکمیل کی ضرورت ہے، اگر
 عقل حقیقی معنوں میں مکمل ہوئی، تو ایسا شخص انسانِ کامل میں فنا ہو
 کر از سر نو زندہ ہو جاتا ہے، اور اس کی جدید زندگی کے پیش نظر
 عقل ہی کو ہر اعتبار سے اولیت حاصل ہوتی ہے، پس اسی معنی میں
 ارشادِ نبوی ہے کہ: خدا نے (عالمِ شخصی میں) سب سے پہلے عقل کو
 پیدا کیا۔

عقلی لذتیں : لذتوں کی تقسیم جسم، روح، اور عقل پر ہوئی
 ہے، جمادات اور نباتات البتہ لذت و حلاوت سے محروم ہیں، جانور
 کو جسمانی لذتوں سے ایک ادنیٰ حصہ ملا ہے، انسان میں جسمانی لذتیں
 مکمل اور بھرپور ہیں، جس کی وجہ انسانی روح کی شرکت اور عقل کی ہمپائی
 ہے، اگر یہ بات سچ ہے، تو پھر روحانی لذتوں کا کیا عالم ہوگا، اور اس
 سے بھی بڑھ کر عقلی حلاوتوں کی کیا شان ہوگی، اس میں کوئی

شک ہی نہیں کہ مادی لذتیں بیک وقت کئی کام انجام دیتی ہیں: وہ روحانی اور عقلی نعمتوں کی برتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں، وہ زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ ہم آزمائش میں، اور کہہ رہی ہیں کہ ہم ان کے لیے سزا بھی ہیں، جو روحانی اور علمی (عقلی) نعمتوں کا مزہ نہیں لے رہے ہیں۔

باقاعدہ عبادت اور کثرتِ ذکر میں اعلیٰ قسم کی روحانی لذت موجود ہے، اگر کسی کو ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوتا ہو تو یقیناً یہ اس آدمی کا قصور ہو سکتا ہے، ورنہ جسمانی لذت سے روحانی لذت برتر نہ ہونے کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے، اسی طرح کچھ شرائط عقلی لذت کے لیے بھی ہیں اور پہلی شرط یہ ہے کہ عقلِ جزوی بیمار نہ ہو، ورنہ اس کے سامنے ہزار گونہ عقلی نعمتیں رکھیں، پھر بھی اس کو کوئی مزہ نہیں آئے گا، جیسے بیمار آدمی کھانے سے بے رغبت ہو جاتا ہے اگر مجبوراً ذرا سا کھا بھی لے تو وہ غذا اس کے منہ میں بے ذائقہ ہو جاتی ہے۔

عقلی پرورش: خالقِ اکبر نے انسان کو عقلِ غریزی (فطری)

عنایت کر کے دوسری بہت سی مخلوقات پر بادشاہ بنا دیا، ساتھ ہی ساتھ اس پیدائشی عقل کی پرورش کی غرض سے انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو مبعوث و مامور فرمایا، تاکہ دنیائے انسانیت علم و حکمت اور نظامِ تربیت سے خالی نہ ہو، اور عقلی جیسی خدا کی پسندیدہ و محبوب مخلوق کے

یہ ذریعہٴ اتمام و تکمیل مہیا رہے، پس روحانی اور عقلی تربیت و پرورش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خداوندِ جلّ جلالہ نے ارشاد فرمایا: الحمد للہ رب العالمین۔ خدا کی بہت بڑی تعریف ہے کہ وہ عوالمِ شخصی کا پروردگار ہے، یعنی اس بے حد مہربان کی طرف سے عقل و جان کی ہر گونہ پرورش کے تمام وسائل موجود و مہیا ہیں۔

کوکبِ دُرّی: ستارہٴ دُرّی، ستارہٴ گوہرین (۲۴/۵) عقلِ کلّ ہے، کیونکہ وہ عقل و دانش، اور علم و حکمت کے انمول موتیوں کا عالم ہے، اور نجمِ صُدا ہے (۱۶/۱۶) یہ وہ ستارہ ہے جو پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کی شہادت دے رہا ہے (۵۳/۱) اس کی شانِ تقدّس دیکھئے کہ خدا نے اس کی قسم کھائی، نیز عقلِ کلّی وہ نجم ہے اور نفسِ کلّی وہ درخت، جو مخلوقات کی چوٹی پر اللہ جلّ شانہ کے لیے سجدہ کرتے رہتے ہیں (۵۵/۶) غرض قرآنِ پاک میں جہاں جہاں سورج، چاند، نجم، نجوم، چراغ اور چراغوں کے تذکرے کئے ہیں، وہ عقل کی تعریفی مثالیں ہیں، اسی طرح نورِ عالمِ بالا میں عقلِ کلّ ہے، اور دنیائے ظاہر میں امامِ زمانِ صلوات اللہ علیہ و سلامہ۔

واحد اور جمع: عالمِ کثرت کے ماحول کی وجہ سے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک میں سب کا وجود کیسے ہو سکتا ہے؟ یا ایک ہی چیز ہر چیز کس طرح ہو سکتی ہے؟ حالانکہ یہ کوئی مشکل مسئلہ ہے نہیں، کیونکہ جب اشیاء یا مخلوقات کی کثرت ہے،

تو لازماً کہیں نہ کہیں ان کی وحدت بھی ہو سکتی ہے، جی ہاں اس وحدت کا مشاہدہ وہاں ہوتا ہے، جہاں خالقِ اکبر کائنات و موجودات کو اپنے قدرت والے ہاتھ میں لپیٹ کر (۳۹/۲) ملکوت بناتا ہے۔ (۳۶/۸۳) جس میں ہر چیز کی یکجائی اور وحدت ہے۔

کتابِ عقل - مجموعہ کتب : قرآنِ کریم کی ہر آیت حکیمانہ اشارات سے بھری ہوئی ہے، یہ صفت آیاتِ کریمہ کے ظاہری معنوں کے علاوہ ہوتی ہے، جیسا کہ سورہ انبیاء کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے : جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹیں گے جس طرح نوشتے کو کتابیں بنانے کے لیے لپیٹا جاتا ہے ... (۲۱/۲) اس سے یہ حقیقت مستنبط ہو جاتی ہے کہ اگرچہ آسمان یعنی کائنات اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب قدرت کی ایک انتہائی وسیع کتاب ہے، لیکن اس کو باطنی طور پر لپیٹ کر عوالمِ شخصی میں عقل کی کتابیں بنا دی جاتی ہیں، یہی وہ کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ مرتبہ حقِ الیقین پر ہے (۲/۲، ۱۲/۱) اور قرآنِ پاک اس کی حکیمانہ تفصیل ہے (۱۲/۱)۔

ہزار سوال، ایک جواب : قرآنِ حکیم کے کلمات کی جامعیت کا یہ معجزہ کمال ہے کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ میں ہزار سوالات کے لیے جوابِ ثانی و کافی موجود ہوتا ہے، لیکن اس کی شرط غور و فکر اور عقل و دانش ہے، مثال کے طور پر سورہ روم (۳۰/۱) میں

غور سے دیکھنے کی ریاضت کیجیے، جس کا مفہوم ہے کہ: تم حنیف ہو کر (مقامِ معرفت پر) اپنا چہرہ جان دین کے لیے قائم کرو خدا کی پیدائش (کا کمال) یہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو (اہلیت دے کر) پیدا کیا ہے... یعنی جملہ احکام دین کی بجا آوری سے عالمِ شخصی میں اتنی ترقی کرو کہ تمہارا روحانی چہرہ نفسِ کلی کی نمائندگی کرنے لگے، تب تم اسرارِ عقل کے خزانے کو حاصل کر سکو گے، جہاں کوئی بھی سوال ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

قلب - دل: قرآنِ عظیم میں قلب کا مضمون بہت زیادہ توجہ طلب ہے، کیوں نہ ہو، جبکہ بموجب حدیثِ شریف ہر چیز کا قلب / دل ہوتا ہے اور قرآن کا قلب سورہٴ یٰسّ ہے (رَبِّ الْعَالَمِ شَيْءٌ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسُّنَ) چنانچہ انسانی قلب سے عقل مراد ہے، کیونکہ جاننے (۲۶/۲۶) یا نہ جاننے (۹۱/۹۱) کا تعلق قلب سے ہے، اور یہاں ایک بہت بڑا رازِ سرِ بستہ یہ ہے کہ تاویلًا امام زمان علیہ السلام مومن کا قلبِ سلیم ہے (۲۶/۸۹)۔

عظیۃ الٰہی: اللہ تبارک و تعالیٰ کا سب سے عظیم عطیہ اور سب سے بڑا انعام عقل ہی ہے، جس کے وسیلے سے تمام ذیلی نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں، کیونکہ دین و دنیا کی جملہ سعادتیں اور برکتیں نورِ عقل کی کرنیں ہیں، یہ کلیدی نکتہ خوب ذہن نشین کر لیں کہ خدا کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، وہ اپنے نیک بندوں کو

عطا کر دینے کی غرض سے ہے، جیسے فضل (۳/۳) خیر (۳/۲۶) ملکوت (۲۳/۸۸) ملک (۶۶/۱) وغیرہ، ان میں سے ہر معنی میں سب کچھ ہے۔

قدیم اور جدید : ہر آدمی کی خواہشات اور تمناؤں کے دورِ رخ ہوا کرتے ہیں، ایک رُخ ہمیشہ ماضی کی جانب رہتا ہے اور دوسرا مستقبل کی طرف، وہ نہ صرف جدید انکشافات کو دیکھنا چاہتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قدیم واقعات کو بھی جاننے کا خواہشمند ہے، یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نورِ عقل کی حرکت دائرہ نما ہے، وہ جہاں سے طلوع ہوتا ہے گھوم کر وہاں غروب ہو جاتا ہے، پس مومنین بہشت کی نعمتوں کے سلسلے میں اقوامِ عالم کی زندہ تاریخ کا بہت ہی قریب سے نظارہ کر سکیں گے، (۹/۱۰۵، ۳۹/۲۰، ۵۴/۵) کیونکہ جنت کے محلات کے مختلف جھروکے اس غرض سے ہیں کہ ان سے عالمِ عقل اور عالمِ روح کا مشاہدہ اور عالمِ جسم کے ماضی اور مستقبل کا نظارہ کیا جائے (۲۵/۵، ۲۹/۵۸)

وسیلہٴ عقل : شروع سے لے کر آخر تک جس عقلِ کامل کی تعریف و توصیف ہوئی، اس سے خاطر خواہ فیض حاصل کرنے کا وسیلہ یہ ہے کہ مومن اطاعت و فرمانبرداری کی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے خدا، رسول اور امامِ زمانہ کی نورانی محبت کو حاصل کرے، تاکہ وہ خدا کے

دوستوں میں شامل ہو جائے، اور اس پر نورِ عقل کی کرنیں برستی رہیں،
کیونکہ عقل کا تعلق ایسی ہی مجتہد سے ہے۔

نصیر الدین نصیر، ہونزائی، کراچی
اتوار یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
۷ افروری ۱۹۹۱ء

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

تجلی طور

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (۲۴/۳۵) یعنی کائناتِ شخصی کے آسمانوں اور زمینوں کا، جیسے فرشتہ عقل کُلّ آسمان ہے اور فرشتہ نفس کُلّ زمین، پھر نفس کُلّ آسمان ہے، اور ناطق زمین، پھر ناطق آسمان ہے اور اساس زمین، پھر اساس آسمان ہے اور امام زمین، پھر امام آسمان ہے اور حجت زمین۔ چنانچہ یہ آسمان و زمین اور ان میں جتنی چیزیں ہیں، وہ سب اللہ کے نور سے منور ہیں، لہذا یہاں کی ہر شئی بحقیقت نور کہلاتی ہے، جبکہ ظاہراً و باطناً نورِ الہی سے روشن اور رنگِ خدا (۲۱/۳۸) سے رنگین ہو چکی ہے۔

۲۔ کائناتِ شخصی سے عالمِ دین اور عالمِ وحدت مراد ہے، جو امامِ مبین کی ذاتِ عالی صفات میں موجود ہے، اور اسی پاک و پاکیزہ ہستی میں تمام عقلی اور روحی چیزیں گھیری ہوئی ہیں، اور یہیں ہر شئی پر نورِ خداوندی کی بارش برستی ہے، پس ہر مومن کا یہ ایک علمی فریضہ ہے کہ وہ عقل و دانش سے ان لطیف چیزوں کے بارے میں خوب سوچے، جو امامِ اقدس و اطہر کے احاطہ نور میں محاط ہیں،

(۲۶/۱۲)۔ وہ اس ظاہری اور مادی مثال میں بھی اچھی طرح سے غور کرے کہ لوہے کی تمام تر چیزیں آگ میں سُرخ کر کے بنائی جاتی ہیں، اب اگر ان سب کو آگ میں دوبارہ سُرخ کیا جائے تو یقیناً وہ آگ کہلا سکتی ہیں، اسی طرح علمی اور عرفانی چیزیں امام عالی مقامؑ میں انوار ہیں، اگرچہ بہت سے لوگ اس راز سے بے خبر ہیں، مثال کے طور پر ایمان کے بہت سے درجات ہیں، اور یہ اوپر اوپر کے درجوں میں نور ہے، سورہ تخریم (۶۶: ۸) میں دیکھ لیں کہ کچھ مومنین کو نور حاصل ہوا ہے، مگر اس کو تمامیت و کمالیت چاہیئے، اس لیے وہ دعا کر رہے ہیں:

پروردگارا ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش دے (۸/۶۶)

۳۔ نور میں حقیقتوں اور معرفتوں کی وحدت و یگانگی ہوا کرتی ہے، اس لیے آپ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ یہ نورِ عقل ہے، نورِ علم بھی، نورِ ہدایت بھی، نورِ ایمان بھی، نورِ یقین بھی، نورِ بصیرت بھی، نورِ معرفت بھی، نورِ عشق بھی، نورِ نائید بھی، نورِ باطن بھی، وغیرہ، کیونکہ نور کے بہت سے کام ہیں، اس لیے اس کے بہت سے نام ہیں، یہی وجہ ہے کہ لفظِ نور قرآنِ حکیم میں محدود معنی کے ساتھ استعمال نہیں ہوا ہے، ان شاء اللہ آپ نور کی ہر بات کو جان سے بھی زیادہ عزیز رکھیں گے۔

۴۔ اللہ (جَلَّ جَلالہ) نے جب اپنی پاک تجلیِ جبلِ روح

پر ڈالی، تو وہ ذرہ ذرہ ہو گیا، اور اس سے عالم ذر پیدا ہوا، اور جب یہی تجلی طورِ عقل پر ڈالی گئی تو اس کے ریزہ ریزہ ہونے سے عالم عقل وجود میں آیا، پس عقل و روح کا ہر ذرہ تجلی حق کی آئینہ داری کرنے لگا، تاکہ عارفین کی چشم بصیرت تجلیاتِ علم و حکمت سے روشن ہو، کیونکہ خداوندِ قدوس کی جلوہ نمائی کا اثر لازوال اور انمٹ ہوتا ہے، لہذا خدا کے دوستوں کے دل میں اس کا عرفانی پرتو ہمیشہ جھلکتا رہتا ہے۔

۵۔ قرآنِ پاک اس امر کی طرف پُر زور توجہ دلاتا ہے کہ ذاتِ سبحان کے سوا کوئی یکتا نہیں، تمام چیزیں جفت جفت ہیں، چنانچہ عالمِ شخصی میں بھی قانونِ فطرت کے مطابق دو بنیادی چیزیں جفت ہیں، یعنی روح اور عقل، پس روح منجمد کے پہاڑ پر جس طرح ملکوتی بجلی گرتی ہے، کوہِ عقل پر بھی آخر کار ایسی جبروتی بجلی گر جاتی ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ برقی تجلی میں ہلاکت ہے، یہ توحیاتِ سرمدی لے کر آتی ہے، لہذا ہمیں برقی طور کے لیے زار و قنار رونا چاہیے۔

۶۔ عاشقانِ الہی حسرت سے کہتے ہیں: آہ! وہ صبحِ ازل اور شامِ ابد، وہ طلوع و غروبِ آفتابِ نور، وہ کتابِ مکنون اور اس کے اسرارِ حقائق، وہ علمِ لاصوت اور اس کے دقائقِ وہ گنجِ مخفی اور اس کے انمولِ جواہر، وہ خزانہٴ عقل اور اس کی بے پایان

دولت، وہ عجائِب و غرائبِ کُوہِ قاف، وہ انتہائی حیرت انگیز نامہ اعمال، وہ تجلیات در تجلیات، اور ظہورات در ظہورات۔

۷۔ قرآنِ عزیز کے بے مثال اعجاز کا یہ عالم ہے کہ آپ اس کے موضوعات میں سے جس موضوع سے بحث کریں، وہی موضوع سارے قرآن میں پھیلا ہوا نظر آئے گا۔ اس باب میں آتشِ طُور (۲۱۰) کی مثال لیجئے کہ وہ نہ صرف حضرت موسیٰؑ ہی کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ یہ وہی نورِ قدیم اور گنجِ حکیم ہے، جس میں فنا ہوئے بغیر نہ تو کوئی نبی ہوا ہے اور نہ کوئی ولی، یہی مطلب سورہٴ حدید (۲۶) کے اس پُر حکمت ارشاد میں ہے....

بُؤْرِكَ مِنْ فِي النَّارِ.... برکت دیا گیا ہے جو (اس) آگ میں ہے۔ خوب غور سے دیکھئے کہ یہاں ایک تو آگ یعنی نور ہے، اور دوسری کوئی ہستی ہے جو اس نور میں فنا ہو کر زندہ جاوید ہو چکی ہے، جس کی وجہ سے اسے برکت دی گئی ہے۔

اور ان کو بھی نورانی برکتیں عطا ہوئی ہیں، جو نور کے گرد رہتے ہیں، مگر ذاتِ سبحان پر ترو بے نیاز ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ یہ وہی گلیہ ہے اور منزلِ فنا اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی معرفت کے لیے دعوت ہے، جس کی مثالیں تمام قرآنِ حکیم میں موجود ہیں۔

۸۔ مذکورہ آیہ شریفہ میں نور کی تشبیہ و تمثیل آگ سے دی گئی ہے، تاکہ مرتبہ فنا کی توضیح ہو، وہ اس طرح کہ دنیا میں کوئی

آگ ایندھن کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی ہے، چنانچہ نورِ ایمان، نورِ عشق، نورِ علم، نورِ معرفت، اور نورِ عقل اپنے کثیر ناموں کے ساتھ پیغمبروں، اماموں، اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں میں اس لیے پیدا ہو جاتا ہے کہ تائیدِ الہی سے وہ دائم الذکر ہوا کرتے ہیں، ان کی عبادت خالص اور دل سوز ہوتی ہے، اور وہ ہمہ وقت تحلیلِ نفسی اور محویت و فنایت کے حال میں ہوتے ہیں، کیونکہ خالقِ اکبر اپنی خداداد کی چیزیں عالمِ شخصی ہی میں پیدا کرتا رہتا ہے، آپ آیہ مصباح (۲۴/۲۵) میں بھی درست غور کر کے دیکھیں کہ شعلہٴ چراغ کس چیز سے بنتا ہے؟

۹۔ قرآنِ کریم کا فرمانا ہے کہ: آتشِ دوزخ کے ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور پہلے ہی سے یہ آگ، کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (۲۴/۲۴) یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگ بے شک مجرم ہو سکتے ہیں، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ پتھروں سے کیا گناہ سرزد ہوا، جس کی وجہ سے یہ جہنم کے ایندھن ہو گئے؟

جواب: قرآنِ حکیم میں جس طرح قیمتی پتھروں اور بیش بہا معدنیات کا اشارہ گوہرِ عقل کی طرف جاتا ہے، جو کالمین کا نورِ عقل ہے، اسی طرح عام، بے قیمت اور ناکارہ پتھروں سے جاہلوں اور نادانوں کی منجھد عقل مراد ہے، پس بحکمِ حدیثِ شریف:

الجَاهِلُ فِي النَّارِ (نادانِ آتشِ دوزخ میں ہے۔ یعنی جہالت کی آگ میں)، اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ جہال (نادان لوگ)، اور ان کی برائے نام عقلمیں آتشِ نادانی میں گرفتار ہیں، کیونکہ حقیقی بہشتِ علم ہے، اور اصلی دوزخِ جہالت۔

۱۰۔ قرآنی علم کے لیے جس طریق کار کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے، اس میں سب سے کلیدی کلمہ یہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے آفاق و انفس اور قرآنِ کریم کی ہر ہر چیز کے ظاہر و باطن میں علم کے موتیوں کو رکھا ہے (۶۸، ۴۰) لہذا یہ مومنین کا فریضہِ علمی ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی ہر شے سے جو اہرِ علم و حکمت کو حاصل کریں اور جہاں خداوندِ قدوس کی تجلی سے طورِ ریزہ ریزہ ہوا ہے (۶۴۳) وہاں اس کے ہر ریزے سے بھی لولو ہائے کمون کو چن لیں، کیونکہ یہ ریزے بہت بڑی خصوصیت کے حامل ہیں، جبکہ یہ تجلی حق سے متجلی ہو گئے ہیں۔ جس طرح خورشیدِ نور سے ہر ذرہ چمک اٹھتا ہے، اسی طرح گوہِ گوہر (گوہِ طور) کے تراشے ہوئے نگینے پر نور ہو گئے ہیں، کیونکہ کوئی بھی جلوہ یا دیدارِ ارادہِ الہی کے سوا نہیں، جب ارادہِ حق ہوتا ہے، تو وہ کلمہ کُن کہلاتا ہے، اور جہاں اللہ نے کُن فرمایا، تو وہاں ایک انتہائی

۵۵
مکمل چیز پیدا ہوتی ہے، یعنی ایک عقلی کائنات۔
نصیر الدین نصیر۔ ہونزائی، کراچی
۱۶ رجب ۱۴۱۱ھ
۲۲ فروری ۱۹۹۱ء



**Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science**

Knowledge for a united humanity

